سلامتی بے وقعت ہے۔ یہاں کی گہری تاریکی رُوح کی گہرائیوں تک سرائیت کرتی چلی جاتی تھی۔ طبعی طور پر انسان ایسے ماحول سے کتراتا ہے۔ اُس کے جسمانی اعضا کی حساس تنظیم جلد ہی پہچان لیتی ہے کہ روشنی کے بغیر زندگی کو برقرار نہیں رکھا جا سکتا۔ مستقل تاریکی میں رہنے سے جسمانی قویٰ یکے بعد دیگرے اپنی طاقت کھو بیٹھتے ہیں۔ پھر جسم کی کمزوری دماغ کو متاثر کرتی ہے اور وہ پیش از وقت تشکک و شبہے، خوف و ہراس اور مایوسی کا شکار ہو جاتا ہے۔ غرض مستقل تاریکی کا مقابلہ کرنا بڑے دِل گردے کی بات تھی۔

تاریکی کے علاوہ ایک اور مصیبت ان بے شمار راستوں سے آنے والی سرد ہوا تھی جو انہیں یخ کیئے دیتی تھی مگر اپنے ساتھ اوپر کی تازہ ہوا کو نہ لاتی تھی۔ نمدار فضا کی وجہ سے فرش، چھت اور دیواروں پر جابجا کائی کے دھبے پڑے ہوئے تھے اور سارا ماحول کثیر التعداد لوگوں کے سانس کی زہریلی بدبُو سے مکدّر تھا۔ پھر ہر وقت جلنے والی مشعلوں کا دھوآں بھی موجود تھا۔ ممکن ہے وہ مضر گیسوں کے اثر کو کچھ حد تک کم کرتے ہوں مگر یہاں قیام کرنے کے لئے اِس کی متلی کرنے والی بُو بڑی ہی صبر آزما تھی۔

سچ تو یہ ہے کہ ان گورستانی گورکھ دھندوں میں ثابت قدم رہنا دنگل میں جان دینے سے بھی زیادہ قابلِ تحسین کام تھا۔ اِن گھُپ اندھیروں میں قدیم مسیحی اپنی زندگی کی سب سے زیادہ کڑی آزمائشوں سے گذر رہے تھے۔ ایذا رسانی کے لئے اُن کا صبر و تحمّل اور ہمّت و حوصلہ قابلِ داد تھا۔ اِن لاتعداد مشکلات کے پیشِ نظر اُن کی ثابت قدمی کی جتنی تعریف کی

جائے کم ہے۔

شہیدوں کا عزم ان سب مشکلات پر غالب آیا۔ صرف جوان ہمت مرد بلکہ نوعمر کنواریاں اور کمزور بچوں نے بھی تاریخ کی عظیم ہستیوں مثلاً ریگولس کے صبر و تحمل، کریتیس کی وفاداری اور بروٹس کی ثابت قدمی کو مات کر دکھایا۔ اور یُوں ایذارسانی کی طاقت کو نیچا دکھاتے ہوئے یہ نیک، پاکباز اور دلیر لوگ اپنے دن گذارتے رہے۔ موت اُن کے لئے کوئی ہیبت نہ رکھتی تھی اور نہ وہ زندگی جسے وُہ مردوں کی سرزمین میں گویا موت کے منہ میں رہتے ہوئے گذار رہے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اُنہیں کیا درپیش ہے اور وہ اُس کو کُلی طور پر قبول کر چکے تھے۔ لہٰذا وہ رضامندی سے یہاں آتے تھے، اور اگر کوئی شے اپنے ساتھ گویا زادِ راہ کے طور پر لاتے تو وہ تھی خدا کی محبت جو اُن کے دل میں مضبوطی سے جاگزیں تھی۔ یہی جذبہ اُنکے دل کی پکار اور اُن کی رُوح کی غذا تھی اور اسی کی بدولت وہ ایک دوسرے کو پیار کرتے اور پیار حاصل کرتے تھے۔

حق کے یہ شیدائی اِس تاریک پناہ گاہ کو غنیمت جان کر اسی کے لئے صابر و شاکر تھے۔ وہ اپنے گرد و پیش کی تاریکی کو کم کرنے کے لئے طرح طرح کی کوششیں کرتے تھے۔ مثلاً کئی مقامات پر دیواروں پر سفید استرکاری کا مسالہ لگایا گیا تھا جبکہ دوسری جگہوں پر تصویرکشی سے سجاوٹ کی گئی تھی۔ یہ تصاویر دیوتاؤں کی نہیں تھیں بلکہ حق کے عظیم دلاوروں کی تھیں جنہوں نے "ایمان ہی کے سبب سے سلطنتوں کو مغلوب کیا، راستبازی کے کام کئے، وعدہ کی ہوئی چیزوں کو حاصل کیا، شیروں کے منہ بند کئے، آگ کی تیزی کو بجھایا، تلوار کی دھار سے بچ نکلے، کمزوری میں زورآور

ہو گئے۔ لڑائی میں بہادر بنے، غیروں کی فوجوں کو بھگا دیا (عبرانیوں ۱۱: ۳۳، ۳۴)۔ اگر وہ اپنی پریشانی کے وقت ایسے مناظر کی تلاش میں تھے جو خدا کی قدرت اور راہنمائی کی یاد دلا کر اُن کی حوصلہ افزائی کریں تو اُن کے لئے کلامِ پاک میں سے مذکور سورماؤں سے بہتر اور کونسی مثالیں مل سکتی تھیں۔

اُن کی دلی خواہش تھی کہ اپنے دین اور اُس کی رسُوم کو ہر طرح کی آلائش سے پاک رکھیں۔ اگر مسیحی اپنے اردگرد کے گناہ آلود ماحول سے متاثر ہُوئے بھی تو وہ اثر اتنا کم اور نامعلوم تھا کہ نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ مسیحی دین کے اہم عقائد ہر طرح کی آلائش سے بالکل پاک رہے، مثلاً انسان کا گناہ۔ آسمانی باپ کا رحم۔ بیٹے کا کفارہ۔ انسان کے باطن میں رُوح القُدس کی سکونت۔ فدیہ دینے والے پر ایمان کے وسیلے سے نجات، مسیح کے بیش بہا خون کی قدر و قیمت، خداوند یسوع کا مُردوں میں سے جی اُٹھنا۔ اُس کی آمدِ ثانی کی امیدِ سعید۔ یہ سب بنیادی حقائق تھے جن کے ساتھ مسیحیوں کی والہانہ عقیدت اور محبت تھی اور جن کا اظہار کوئی زبان لائق طور پر نہیں کر سکتی۔ نیز اُن کے قول و فعل، اُمید و ایمان اور محبت کی صفات ہر لحظہ ظاہر ہوتی رہتی تھیں۔

مسیح کی آمدِ ثانی کی اُمید وہ آسمانی اُمید تھی جو اُن کی رُوح کو ایسے تھامے رہی کہ پوری رومی حکومت کا قہر و غضب اُنہیں اُس چٹان سے ہٹا نہ سکا جو پشت در پشت ہر ایماندار کی پناہ گاہ رہی ہے۔

اُن کے ایمان اور امید کا واحد نصب العین خود مسیح خداوند تھا جو اپنے جلال میں خدا کے دہنے ہاتھ بیٹھا ہے۔ اُسی پر ایمان اُن کی سب

سے قیمتی دولت اور اُن کا سب کچھ تھا، اور یہی ایمان اُنہیں کڑی سے کڑی آزمائش میں سنبھالتا اور تقویت دیتا رہا بلکہ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ یہ اُن کے لئے زندگی کا سانس تھا۔ یہ اُن کی زندگی میں ایسی زندہ حقیقت تھی جس کے بل بوتے پر اپنی موت کے وقت اُنہیں عجیب قوت میسّر آتی جس سے وہ خدا کی حمد کرتے ہوئے شیر اور خونخوار چیتوں کا سامنا کر کے جان دے دیتے تھے۔ یہ ایمان ایسا اٹل تھا کہ ایسے وقت میں بھی جب معلوم ہوتا تھا کہ رُوئے زمین پر سے مسیحیوں کا صفایا ہو چکا ہے مسیحی بڑے اعتماد کے ساتھ یسوع کا انتظار کرتے رہے۔ غرض اُنکی زندگیاں ایمان اور اُمید اور محبت کی منہ بولتی تصویریں تھیں۔

اسی محبت کو جو اُن کی زندگیوں میں نمایاں تھی خداوند یسوع نے ساری شریعت کا نچوڑ قرار دیا ہے۔ اُن کے درمیان طبقاتی کش مکش یا نسلی امتیاز نام کو نہ تھا اور ہوتا بھی کیونکر۔ اُن کو تو ایک مشترکہ مُہلک دشمن کا متحد ہو کر مقابلہ کرنا تھا۔ ان حالات میں وہ آپس میں لڑنے کی حماقت کس طرح کر سکتے تھے۔ لہٰذا اُن کے درمیان محبت کا ایسا رشتہ استوار ہو گیا تھا جو ہر قسم کے اختلاف کو بالائے طاق رکھے ہوئے تھا۔ نیز رُوح القُدس نے خُدا کی محبت کو اُن کے دل میں اِس طرح جاگزین کیا تھا کہ وہ ایک دوسرے کی خاطر جان دینے سے بھی دریغ نہ کرتے تھے۔

یہ حقیقت ہے کہ اس ایذارسانی نے مسیحیوں کے جوش و جذبے کو مضبوط کر کے اُن کے ایمان اور محبت کو یوں چمکایا کہ اُس دَور کی تاریکی میں وہ ستاروں کی مانند جگمگاتے نظر آتے تھے۔ نیز ایذارسانی

چونکہ ریاکاری کی بیماری کا علاج ثابت ہوئی لہذا مسیحی کلیسیاؤں میں صرف وہی لوگ رہ گئے جو مخلص تھے ۔ اس کے علاوہ ایذا رسانی بہادر دلاوروں کو جرأت عطا کرتی تھی وہاں وہ کمزوروں کو وفاداری کے لئے استقلال بخشتی تھی ۔ یہ وُہ دَور تھا جس میں مسیحی ہونا جان کو جوکھوں میں ڈالنے اور سر پہ کفن باندھنے کے مترادف تھا ۔ لیکن خدا کے یہ سچے شیدائی خطروں سے پیچھے نہ ہٹے بلکہ دلیری سے اپنے ایمان کا اقرار کرتے رہے اور بخوشی اس کے نتائج جھیلتے رہے ۔

اُنہوں نے دنیا اور اپنے درمیان ایک خط کھینچ دیا تھا اور وہ مردانہ وار اس حد بندی کو برقرار رکھتے رہے ۔ اُن کی زندگی میں بارہا ایسے مواقع آئے جب دیوتاؤں کے اقرار میں منہ سے چند لفظوں کی ادائیگی یا مندر میں قربانی اُنہیں موت کے منہ سے بچا سکتی تھی ۔ مگر اُن کے لب ملحد مذہب کے اقرار کے لئے کبھی نہ کھُل سکے اور نہ اُن کا ہاتھ نذر کی شراب کو بتوں کے سامنے انڈیلنے کے لئے حرکت میں آسکا ۔ یہ وہ لوگ تھے جو مسیحیت کے بنیادی عقائد کو ذہنی طور پر ہی نہیں بلکہ دل سے تسلیم کرتے تھے ۔ مسیح اُس کے نزدیک خالی تصور یا نظریہ نہ تھا بلکہ ایک زندہ شخصیت تھا ۔ اور اُس کی زمینی زندگی کے لئے ٹھوس حقیقت تھی جسے وُہ اپنے لئے مثالی زندگی کی حیثیت سے تسلیم کرتے تھے ۔ اُن کا ایمان تھا کہ اُن کے نجات دہندہ کے مزاج میں حلیمی ، نرم مزاجی ، صبر و انکساری اسی لیے نمایاں تھیں کہ اُس کے پیروکار اُن کو اپنائیں ۔

اُن کی دانست میں کسی شخص کا ایمان اُس کی عملی زندگی سے اتنا ہی نمایاں ہونا چاہیئے جتنا کہ اُس کے جذبات سے ۔ یہی وجہ تھی کہ اُن کے

قول وفعل یعنی سوچ اور عمل میں تضاد نہ تھا۔
اُن کے لئے مسیح کی موت ایک ایسا اہم واقعہ تھا جس کے سامنے انسانی تاریخ کے عظیم ترین واقعات ہیچ در ہیچ ہیں۔ وہ مانتے تھے کہ مسیح نے نوعِ انسانی کی خاطر موت کی تمام تر تلخی کو چکھا۔ وہ مُردوں میں سے جی اُٹھا اور اپنے جلال کو پہنچ کہ خدا کے دہنے جا بیٹھا اور اُسے زمین و آسمان کا کُل اختیار دیا گیا۔ یہ سب حقائق اُن کے ایمان کی اٹل کڑیاں تھیں۔ چنانچہ اُن کے درمیان بہتوں نے خدا کی راہ میں اپنے بھائیوں کی خاطر صلیبی موت کی اذیت کو برداشت کیا۔ یہ وہ بندگانِ حق تھے جنہوں نے صلیب اُٹھائی اور لوگوں کی ملامت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے مسیح کے پیچھے ہو لئے۔ ان تنگ و تار بھول بھلیوں کو دیکھئے کہ یہی تہ خانے جو صرف مُردوں کے لئے مناسب جگہ تھی سالوں تک جیتی جان لوگوں کے لئے پناہ گاہ بنے رہے۔ کیا یہ صلیب نہیں؟ ان شہدا کی طویل فہرست پر اور اِن کے فتح مندانہ الفاظ پر نظر ڈالئے۔
تہ خانے کے اِن غاروں کے در و دیوار گویا اُس دَور کے مسیحیوں کی تاریخ کے اوراق ہیں۔ ان کو پڑھنے سے ہم چشمِ تصوّر سے اُن شخصوں کو دیکھ کر اُن کی مصائب کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ اِس کے ساتھ ہی اُنکی تابناک اُمید کی حوصلہ افزا جھلک بھی دیکھ سکتے ہیں۔ بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ جس طرح کیمرے کے فلم پر ہو بہو عکسی تصویر اُتر آتی ہے اُسی طرح ان دیواروں پر کندہ الفاظ اُن شہیدوں کی عکاسی کرتے ہیں۔ کہیں تو وہ اپنے مُردوں کے لئے ماتم کناں دکھائی دیتے ہیں اور کہیں دشمنوں کے تشدد سے پریشاں اور کہیں اپنے مُنجّی کی تعریف میں نغمہ سرا۔

یہ وہ غریب، بھوکے ننگے اور دھتکارے ہوئے لوگ تھے جنہوں نے ہر حال میں حق کی گواہی دی، اور جن کی رحم کی فریاد اگر کبھی بلند ہوئی تو انسان کے کانوں میں چکنے گھڑے پر بوند کی طرح پڑی اور پھسل گئی۔ جب لوگوں نے اُنکی فریادوں کا جواب پہلے سے بھی زیادہ سختی سے دیا تو یہ پتھر کی دیواریں اُن کے لئے زیادہ رحمدل ثابت ہوئیں۔ اُنہوں نے اُن کی جگر پاش آہوں کو سنا اور مشفق ماں کی طرح اُنہیں اپنی آغوش میں لے لیا۔ پس ان کے دُکھوں کی پکاریں ان غاروں کی چٹانوں پر انمٹ نقوش بن کر رہ گئیں۔

لیکن شہیدوں کا لہو رنگ لائے بغیر رہ نہیں سکتا۔ مارسلینس کا مسیحیت کو اختیار کر لینا اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ اُن کی فریادیں بے اثر ثابت نہ ہوئیں۔ مارسلینس نے مسیحیت کو اچانک قبول کر لیا تھا۔ اُس دور میں ایسی مثالیں عام دیکھنے میں آتی تھیں جب لوگ ٹیڑھی راہ سے سیدھی یا باطل سے حق کی طرف یکایک رجوع کر لیتے تھے۔ دراصل اُس نے ملحد مذہب کے توہم پرست فلسفیوں کے سب خیالات اور نظریات کو خوب پرکھا تھا اور اُن کی جانچ پڑتال کرنے پر اُنہیں ناکافی اور کھوکھلا پایا تھا۔ لہٰذا ایسے وقت میں مسیحیت اُس پر آشکارا ہوئی تو اُس نے اس میں سب کچھ پایا جس کی اُسے تمنا تھی۔ اُس نے معلوم کیا کہ مسیحیت میں وہ سب کچھ موجود ہے جو اُس کی رُوح کی تشنگی کو تسکین اور اُسکے دل کو اطمینان سے معمور کر دے۔

اگرچہ یہ تبدیلی آناً فاناً تھی لیکن اس میں کلام نہیں کہ وہ ہر لحاظ سے مکمل تھی۔ اُس کی آنکھیں کلیتہً کھل گئیں اور اُس نے آفتابِ صداقت

کی روشنی کو دیکھ لیا تھا۔ اِس تجربے کے بعد اُس کی آنکھوں کا دوبارہ بند ہوجانا ناممکن تھا۔ اُس کے اندر نئی انسانیت کا تجربہ کامل تھا اور یہی وجہ تھی کہ وہ اب اپنے دُکھی بھائیوں کی مصیبتوں میں شریک ہونے کے لئے بخوشی تیار تھا۔

انجیل کی تبلیغ کے ابتدائی دَور میں مارسلس کی طرح آناً فاناً تبدیلیٔ مذہب کی مثالیں عام تھیں بُت پرستوں میں بہت سے لوگ ایسے تھے جو مارسلس کی طرح سچائی کے متلاشی تھے۔ جونہی وہ صدائے حق سُنتے رُوح پاک کی قدرت اُن پر سچائی کو آشکارا کر دیتی۔ یہی وجہ تھی کہ اُس دَور میں مسیحیت نے حیرت انگیز ترقی کی۔ اُسے جتنا دبایا گیا اُتنا ہی وہ اُبھری۔

غرض جب مارسلس نے تہ خانوں میں قیام کے لئے قدم رکھا تو مسیحیت کے لئے مصیبت اور برکت کا عجیب دَور تھا۔ وہ ایمانداروں کے درمیان رہنے سہنے اور بات چیت کرنے سے جلد ہی اُن سب کے ساتھ شِیر و شکر ہوگیا۔ اب اُن کی امید و بیم اُس کی آس تراس تھی اور اُن کا رنج و راحت اُس کا دُکھ اور سُکھ تھا۔ اُن کے قول و فعل سے ظاہر ہونے والا ایمان اُس کے دل کی دھڑکن بن گیا اور اُن کی پُرجلال امید جو اُنہیں تقویت بخشتی تھی اُس کی رُوح کا سہارا بن گئی۔ کلامِ پاک اُس کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ اُس کی تسکین وہ تعلیمات نے اُسے مسیح کا سرگرم پیروکار بنا دیا۔

اُسے یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی تھی کہ اِس تہِ زمین گورستان میں عبادت اور دعائیہ اجلاس ہر روز ہوتے تھے۔ دراصل دنیاوی امور

سے اُن کا ناتا منقطع ہو چکا تھا۔ وہ اپنی جسمانی خوراک کے لئے کوئی ذریعہ معاش بھی اپنا نہ سکتے تھے، لہٰذا وہ اپنے وقت کا بہترین استعمال روحانی امور پر غور و خوض ہی سمجھتے تھے۔ اپنی رُوح کی فکر کرنا اُن کی زندگی کا واحد مقصد بن گیا تھا۔

وہ اپنے اس مقصد میں بڑی حد تک کامیاب ہوئے کیونکہ دنیا کی تمام فکریں، اُس کی دلفریبیاں اور ہزار طرح کی دلکشیاں اُن کی نظر میں ہیچ تھیں۔ اب آسمان انہیں قریب تر نظر آنے لگا تھا۔ اُن کی سوچیں اُن کی فکریں اور اُن کی بول چال سب خدا کی بادشاہت سے متعلق ہوتیں وہ بڑے جوش اور جذبہ سے اُس خوشی کا ذکر کرتے جو اُن لوگوں کو حاصل ہونے والی تھی جو موت تک وفادار رہنے میں کامیاب ثابت ہوں گے۔ وہ اپنے مرحوم عزیزوں کو کبھی لفظ "مُردہ" سے منسوب نہ کرتے بلکہ اُنہیں "پہلے جانے والے" کہا جاتا جو اس گھڑی کے منتظر تھے جب مُردے جی اُٹھیں گے اور ایمانداروں کی صُورت بدل جائے گی اور اس طرح وہ خون خریدے جلالی صورت میں اُوپر اُٹھا لئے جائیں گے تاکہ ہوا میں اپنے مسیح کا استقبال کریں اور اُس کے تختِ عدالت کے سامنے کھڑے ہو کر وہ صلے اور اعزازات اور انعامات حاصل کریں جو وہ اُنہیں اُن کی وفاداری کے بدلے میں دے گا۔

(۱۔تھسلنیکیوں ۴: ۱۳-۱۸؛ فلپیوں ۳: ۲۰، ۲۱؛ ۱۔کرنتھیوں ۳)

یہی وجہ تھی کہ مارسلس کو یہ تاریک تہ خانے مُردوں کی قبریں نہیں بلکہ ہزار ہا زندہ ہستیوں سے معمور جگہ نظر آئی۔ اِس میں شک نہیں کہ انکے چہرے پیلے، پژمُردہ اور ہراساں تھے تاہم یہ احساس اُن سے کبھی جُدا

نہ ہوا کہ انہیں ان تاریک قبرستانوں کے مابین وہ پُرجلال تقدیر میسّر آئی ہے جس سے شہرِ دوام محروم ہے۔

مُردوں کی زمین میں زندگی کی لہر دوڑ رہی تھی اور اِس گورستان کے لاتعداد راستوں میں اِنسانی آوازیں گونجتی تھیں اور مرحوموں کی ان بے شمار قبروں کے درمیان دوست نے دوست کی طرف دستِ وفا بڑھایا، اور یہیں اِنسانی روحیں محبت کے اٹوٹ رشتے میں منسلک ہوگئیں، اور یہیں نوحہ خواں کے آنسو شہیدوں کے جسم پر گر کر خون کے ساتھ یکجان ہوگئے۔ یہیں اُس کے محبت بھرے ہاتھوں نے شہیدوں کے کٹے ہوئے بازو اور ٹانگوں کو کفن میں لپیٹا اور اِن ہی غاروں کے سرد نعالوں میں بہادر جانیں دنیاوی رشتوں سے بالاتر ہوکر صبح کے ستارے کی طرف اشارہ کرتے ہُوئے فتح مندی سے مُسکرا اُٹھیں اور ماتم کرتے ہُوئے لبوں سے حمد و ثنا کی صدا بلند ہوئی۔

نواں باب

ایذا رسانی

ایذا رسانی زوروں پر تھی۔ کوئی غریب یا امیر، بڑا یا چھوٹا اُس سے محفوظ نہ تھا۔ سب کو بلا امتیاز موت کے گھاٹ اُتارا جا رہا تھا جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ چند ہی ہفتوں میں لوگوں کی کثیر تعداد انہی تہ خانوں میں پناہ گزیں ہونے پر مجبور ہو گئی۔ یہ تعداد اتنی زیادہ تھی کہ اِس سے پیشتر کبھی دیکھنے میں نہیں آئی تھی۔ وجہ یہ تھی کہ اس سے پہلے حکام مسیحیوں میں سے صرف نمایاں اور چیدہ چیدہ ہستیوں ہی کو غضب کا نشانہ بناتے تھے۔ دیگر لوگوں کی عبرت کے لئے فقط اُن ہی کو سزا دی جاتی تھی جس کا نتیجہ یہ تھا کہ پناہ گزیں افراد میں سے اکثریت اسی طبقے سے تعلق رکھتی تھی۔

اور یہی وجہ تھی کہ اب تک شہر کے ساتھ رابطہ رکھنا نسبتاً آسان رہا تھا کیونکہ شہر کے غریب مسیحی کبھی اپنے زیرِ زمین ہم ایمان بھائیوں یا اُن کی ضروریات کو نہ بھولتے تھے۔ لہٰذا اشیائے خوردنی بلکہ ہر قسم کی مدد دستیاب ہوتی رہی تھی لیکن اب صورتِ حال بدل چکی تھی۔ وہی لوگ جن سے پناہ گزیں مدد کی توقع کرتے تھے خود گھر بار چھوڑنے پر مجبور اُن کی مدد کے محتاج ہو گئے تھے۔

تاہم بے چارگی کی نوبت نہ آئی تھی کیونکہ ابھی تک روم میں بہت سے ایسے لوگ تھے جو خود تو مسیحی نہ تھے مگر مسیحیوں سے محبت رکھتے اور ان کی مدد کرتے تھے۔ کیونکہ کوئی تحریک خواہ کتنی بھی عظیم کیوں نہ ہو سب لوگوں کو متاثر نہیں کر سکتی اور لوگوں کا ایک فرقہ غیر جانبدار ہی رہتا ہے۔
یہ لوگ بظاہر توی فریق کے حامی بن جاتے ہیں اور خطرے کی صورت میں بچاؤ کی خاطر سب کچھ تسلیم کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں خواہ وہ انکے ضمیر کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اہلِ روم میں سے بہتوں کا یہی حال تھا۔ مسیحیوں کے درمیان اِن لوگوں کے عزیز و اقارب تھے جن سے وہ محبت اور ہمدردی رکھتے تھے۔ وہ ہمیشہ اُن کی مدد اور دستگیری کے لیئے تیار رہتے تھے، لیکن اپنے آرام اور سلامتی کا خیال اُنہیں اس قدر دامن گیر تھا کہ وہ خود اُن کے ایمان اور مصیبتوں کو اپنانے کو آمادہ نہ تھے۔ وہ مندروں میں جاکر ملحد دیوتاؤں کی پوجا پاٹ میں حصّہ لیتے اور تھوڑی بہت پرانے توہم پرست مذہب کے پیروکار بھی تھے۔ مسیحی اَب ایسے ہی لوگوں کی مدد کے محتاج ہو کر رہ گئے تھے۔
شہر میں جانا پہلے سے بھی کہیں زیادہ پُرخطر ہو گیا تھا۔ نہایت دلیر اور نڈر شخص ہی ایسا کرنے کی جسارت کر سکتے تھے۔ مگر مسیحی چونکہ خطروں کو خاطر میں نہ لاتے تھے، اِس لیئے اُن کے درمیان ایسی پُرخطر مہم پر جانے کے لیئے مَردوں کی کمی نہ تھی۔
مارسلس اکثر اپنے آپ کو ایسی خدمات کے لیئے پیش کرتا۔ وہ خوش تھا کہ وہ کسی طرح اپنے بھائیوں کے کام آسکے۔ اُس کی حاضر دماغی اور بہادری جس کی بدولت وہ فوجی اعزازات حاصل کر چکا تھا اب پھر اسکے کام آئے۔

ہر روز بہت سے مسیحیوں کو بلا امتیاز ہلاک کیا جا رہا تھا۔ اُن کے دوست اُن کے لاشوں کو تلاش کر کے لے جاتے تھے تاکہ انہیں اُن تہ خانوں میں سُپردِ خاک کر دیں۔ لاشیں حاصل کرنے میں زیادہ دِقّت پیش نہ آتی تھی کیونکہ اِس طرح تماشگاہ کے محافظ لاشوں کو جلانے اور دفن کرنے کی ناگوار ذمہ داری سے بچ جاتے تھے۔

ایک دن مسیحیوں کو اطلاع مِلی کہ اُن کے جماعت کے دو شرفاء کو گرفتار کر کے ہلاک کر دیا گیا ہے۔ پس مارسلس اور ایک اور شخص لاشوں کو لانے کے لئے روانہ ہُوئے۔ نوعمر لوکیو بھی اُن کے ہمراہ تھا، تاکہ ضرورت کے وقت کام آئے۔ جب وہ شہر کے پھاٹک میں داخل ہُوئے تو اندھیرا پھیل رہا تھا لیکن جلد ہی چاند کے نکلنے سے ہر طرف روشنی ہو گئی۔

وہ گلیوں میں پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہُوئے چلتے گئے اور آخر کار گول تماشا گاہ تک جا پہنچے۔ اُن کے سامنے یہ عظیم عمارت بڑے فخر سے سر اُٹھائے کھڑی تھی۔ وہ مارسلس اور اُس کے ساتھی کو تماشا گاہ کی سرپرستی کرنے والے شہنشاہ کی سنگدلی کی یاد دلا رہی تھی۔

اُنہیں لوہے کے دروازوں کے اندر جانوروں کے دیکھ بھال کرنے والے محافظ سپاہی اور تماشا گر لڑاکے نظر آ رہے تھے۔ ملازموں کو اُن کی آمد کا مدّعا معلوم تھا۔ وہ اُنہیں ڈنگل میں لے گئے جہاں پر کئی لاشیں گاجر مولی کی طرح کٹی پڑی تھیں۔ یہ اُس دن قتل ہونے والوں کا آخری گروہ تھا۔ وہ سب لاشیں بُری طرح تہس نہس ہو چکی تھیں۔ بعض کو دیکھ کر یہ کہنا مشکل تھا کہ یہ انسانی لاشیں ہیں۔ خاص

دیر کی اُلٹ پلٹ کے بعد اُن کو مطلوب لاشیں مِل گئیں اور انہوں نے اُن کو بڑے بڑے تھیلوں میں ڈال کر اُسے جلانے کے لئے تیار کر لیا۔

اِس کام سے فارغ ہو کر مارسلئیس نے اپنے گرد و پیش منظر پر نگاہ دوڑائی۔ اپنے اِرد گرد بلند و بالا دیواروں کو دیکھ کر اُسے محسوس ہؤا گویا وہ اُن کے اندر قید ہے۔

اُس نے سوچا نجانے کب مجھے یہیں اپنے خداوند کی خاطر جان دینی پڑے! کیا اُس وقت میں وفادار پایا جاؤں گا؟

"خداوند یسوع، اُس گھڑی میری مدد کرنا!" اُس کے لبوں سے بے اختیار زبان نکلی۔

چاند چونکہ ابھی تک زیادہ اوپر نہ تھا اس لئے ذنگل تا حال اُسکی روشنی سے محروم تھا۔ اُس کا ماحول تاریک اور ہولناک تھا۔ لاشیں تلاش کرتے وقت اُنہوں نے محافظوں سے مشعلیں مانگ کر استعمال کی تھیں۔

اب مارسلئیس نے اپنے عقب میں کوٹھڑی سے آتی ہوئی ایک آواز سُنی۔ رات کی خاموش فضا میں یہ آواز اور اُس کے الفاظ محافظوں کے شور و غل کے باوجود بڑی صفائی سے سُنائی دے رہے تھے۔ الفاظ یہ تھے:

"اب ہمارے خُدا کی نجات اور قدرت اور بادشاہی اور اُس کے مسیح کا اختیار ظاہر ہؤا۔ کیونکہ ہمارے بھائیوں پر الزام لگانے والا جو رات دن ہمارے خدا کے آگے اُن پر الزام لگایا کرتا ہے گرا دیا گیا۔ اور وہ برّہ کے خون اور اپنی گواہی کے کلام کے باعث اُس پر غالب آئے اور اُنہوں نے اپنی جان کو عزیز نہ سمجھا یہاں تک کہ موت بھی گوارا کی۔"

"یہ کون ہے؟" مارسلس نے سوال کیا۔

"اس کا خیال نہ کرو"۔ اس کے ساتھی نے جواب دیا "یہ بھائی چینا ہے۔ اُس کے غم نے اُس کو پاگل کر دیا ہے۔ اُس کے اکلوتے بیٹے کو اِس ایذا رسانی کے شروع ہی میں جلاکر مار ڈالا گیا تھا۔ اُسی وقت سے اُس کے حواس ٹھکانے نہیں اور وہ واہی تباہی کہتا شہر میں اِدھر اُدھر پھرتا رہتا ہے۔ اب تک تو اُنہوں نے اُسے کچھ نہیں کیا تھا مگر آخر کار اُس کو بھی گرفتار کر لیا ہے۔

"تو کیا وہ یہاں قید ہے؟"

"ہاں"۔

اُسی لمحے پھر چینا کی خوفناک آواز فضا کو چیرتی ہوئی بلند ہوئی

"اے قدوس و برحق! کب تک انصاف نہ کرے گا اور زمین کے بسنے والوں سے ہمارے خون کا بدلہ نہ لے گا؟"

"ارے ہاں۔ یہی وہ شخص ہے جسے میں نے اُس دن کپتولیان پہاڑی کے اوپر دیکھا تھا۔

"ہاں وہ سارے شہر بلکہ شاہی محل میں بھی ایسی ہی باتیں کہتا پھرتا ہے۔ چلو چلتے ہیں۔"

وہ تھیلے اُٹھا کر پھاٹک کی طرف قدم بڑھانے لگے جہاں سے کچھ دیر کے بعد اُنہیں باہر جانے کی اجازت مل گئی۔ باہر جاتے ہوئے اُنہوں نے پھر چینا کی آواز سُنی جو اِس فاصلے پر بھی صفائی سے سُنائی دے رہی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا "گر پڑا۔ بڑا شہر بابل گر پڑا اور شیاطین کا مسکن اور ہر ناپاک رُوح کا اڈا اور ہر ناپاک اور مکروہ پرندہ کا اڈا ہو گیا۔

ان میں سے نکل کر الگ رہو۔"

وہ جب تک وہ تماشاگاہ سے خاصی دُور نہ نکل آئے بالکل خاموش رہے۔ آخر مارسلس نے خاموشی کو توڑ کر کہا "جب محافظوں نے پھاٹک کھولنے میں دیر لگائی تو میں خوفزدہ ہو گیا تھا!"

"تمہارا خوف بیجا نہیں تھا۔ محافظوں کے من کی موج یکایک ہماری ہلاکت کا موجب بن سکتی تھی لیکن کوئی بات نہیں۔ موت کو لبیک کہنے کے لئے ہمیں ہر دم تیار رہنا چاہیئے۔ ہمارے خداوند نے فرمایا ہے "تیار رہو۔" وقت آنے پر ہمیں یہ کہنے کے لئے تیار رہنا چاہیئے کہ میں اب قربانی کے لئے تیار ہوں۔"

مارسلس نے کہا "ہاں ہمارے خداوند نے ہمیں آگاہ کر دیا ہے کہ ہمیں کیسے حالات سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اُس نے فرمایا:

"دنیا میں تم مصیبت اُٹھاتے ہو۔"

لیکن اُس نے یہ بھی کہا ہے "خاطر جمع رکھو میں دُنیا پر غالب آیا ہوں۔" اور یہ بھی کہ "میں پھر آ کر تمہیں اپنے ساتھ لے لوں گا تاکہ جہاں میں ہوں تم بھی ہو۔"

"ہماری موجودہ مصیبت ہرگز اس لائق نہیں کہ اُس کا مقابلہ زندگی کے جلال سے کیا جائے۔ خداوند کا فضل ہمارے لئے کافی ہے جس کے وسیلے سے ہمیں فتح سے بڑھ کر غلبہ حاصل ہوتا ہے۔"

غرض وہ اِسی طرح زندگی کے کلام میں موجود مبارک وعدوں سے ایک دوسرے کو تسکین اور تشفی دیتے گئے۔ یہ وہی کلام ہے جو سب وقتوں اور سب حالتوں میں عجیب طاقت و تقویت بخش سکتا ہے اور اُسی

کا ذکر خیر کرتے ہوئے وہ اپنے تھیلوں کو لئے آخر کار بسلامت منزلِ مقصود پر پہنچ گئے اور اُنہوں نے اپنی سلامتی اور حفاظت کے لئے خدا کا شکر کیا۔

اِس واقعہ کے چند دن بعد مارسلس اشیائے خوردنی لینے کے لئے تہہ خانے سے نکلا۔ اِس مرتبہ وہ اکیلا تھا۔ وہ ایک ایسے آدمی کے گھر گیا جو اُن سے دوستانہ مراسم رکھتا تھا اور تب تک اُن کی خاصی مدد کرتا رہا تھا۔ اُس کا گھر شہر پناہ سے باہر اُس نواحی علاقے میں تھا جو شاہراہِ اپیان کے قریب تھا۔ جب مطلوب اشیا کو حاصل کرنے کے بعد اُس نے اُس شخص سے تازہ ترین خبر پوچھی تو اُس نے جواب دیا

"خبر اچھی نہیں ہے۔ پرتوریان کے افسروں میں سے ایک حال ہی میں مسیحی ہو گیا ہے جس سے شہنشاہ کا قہر بھڑک اُٹھا ہے۔ اُس نے ایک اور شخص کو اُس کے عہدے پر مامور کر دیا ہے۔ اُس نے اُسے مسیحیوں کو گرفتار کرنے کا حکم دیا ہے لہٰذا ہر روز کئی مسیحی پکڑے جاتے ہیں۔ اب تو غریبوں کی بھی سختی آگئی ہے۔ پہلے تو کوئی اُن کا خیال نہیں کرتا تھا۔"

"کیا تم پرتوریان کے اس افسر کا نام جانتے ہو جو مسیحیوں کی تلاش کر رہا ہے؟"

"لوکلس۔"

"لوکلس!" مارسلس کہہ اُٹھا۔ "کتنی عجیب بات ہے!"

"کہتے ہیں وہ بہت لائق اور انتھک انسان ہے۔"

"ہاں میں نے اُس کا ذکر سُنا ہے۔ واقعی مسیحیوں کے لئے بہ بُری

خبر ہے"۔ وہ شخص کہنے لگا۔

اُس فوجی افسر کے مسیحی ہو جانے سے شہنشاہ کو ایسا طیش آگیا ہے کہ اُس کی گرفتاری کے لئے انعام مقرر کر دیا گیا ہے۔ اگر تم اتفاق سے اُسے ملو تو اُسے ضرور خطرے سے آگاہ کر دینا۔ کہتے ہیں وہ تہ خانوں میں پناہ گزیں ہے۔"

"ہونا تو وہیں چاہیئے کیونکہ کوئی اور پناہ گاہ نہیں۔"

"یہ بڑے بُرے دن ہیں۔ تمہیں بہت خبردار رہنا چاہیئے۔"

"خیر وہ ہمیں ایک ہی دفعہ مار سکتے ہیں۔"

"تم مسیحیوں کے ہمت و حوصلے کا جواب نہیں۔ میں تمہاری دلیری کی داد دیتا ہوں۔ تاہم میرا خیال ہے کہ تم لوگوں کو دل سے نہیں تو کم از کم ظاہری قدرت میں شہنشاہ کی بات مان لینی چاہیئے۔ اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی مارنے سے کیا فائدہ۔"

"ہمارا منجی ہماری خاطر مُوا۔ ہم اُس کی خاطر مرنے کو تیار ہیں۔"

"تم سب ہی کمال کے لوگ ہو۔"

اب مارسلس اُسے خیرباد کہہ کر سامان کا بنڈل اُٹھا کر رخصت ہُوا۔ جو خبر اُس نے ابھی سُنی تھی اُس کے دل و دماغ پر چھائی ہُوئی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا "لوکلس کو میری جگہ مل گئی ہے۔ کیا وہ بھی میرے خلاف ہو گیا ہے؟ کیا اب میں اُس کے نزدیک اُس کا دوست مارسلس نہیں ہوں؟ یا مجھے صرف وہ مسیحی سمجھتا ہے؟ خیر جلد ہی معلوم ہو جائیگا۔ اگر میں اُس کے ہتھے چڑھ گیا تو بڑی عجیب صورت حال ہو گی۔ ہاں میرا خیال ہے میں پکڑا گیا تو اُسی کے ہاتھوں پکڑا جاؤں گا۔ لیکن مجھے گلہ

شکوہ کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ یہ سپاہی کا فرض ہے۔ سپاہی ہو کر وہ میرے ساتھ وہی سلوک روا رکھے گا جو سپاہی کو حکومت کے دشمن کے ساتھ رکھنا چاہیئے خواہ وہ دل میں مجھ سے محبت کرے یا مجھ پر ترس کھائے لیکن اُسے اپنے فرض کی انجام دہی سے گریز نہیں کرنا چاہیئے۔ اگر میری گرفتاری کے لئے انعام مقرر ہے تو لوگ اپنی کوششوں کو تیز کر دیں گے۔ میرا وقت آنے والا ہے۔ مجھے اِسکے لئے تیار رہنا چاہیئے۔"

وہ اِسی قسم کے خیالات میں گُم صُم شاہراہ اپیاآن کے ساتھ ساتھ چلا جا رہا تھا۔ اُس نے اُس ہجوم کو بالکل نہ دیکھا جو گلی کے موڑ پر کھڑا تھا۔ جب اچانک اُسے اُن کا احساس ہُوا تو وہ اُن کے بیچ میں تھا۔ پھر یکایک کسی نے اُسے روک کر کہا

"دوست! ذرا ٹھہرو! ایسی بھی کیا جلدی ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم کون ہو اور کہاں جا رہے ہو؟"

"راستہ چھوڑ دو!" مارسلس نے اُس آدمی کو ہٹاتے ہوئے تحکمانہ انداز میں کہا۔

سب لوگ اُس کے حاکمانہ انداز اور با اختیار آواز سے متاثر ہو کر خاموش ہو گئے۔ مگر اُن کے ترجمان نے ہمت سے کام لیتے ہوئے کہا

"تم بتاتے کیوں نہیں کہ کون ہو؟ تم یہاں سے گزر نہیں سکتے۔"

"ایک طرف ہٹ جاؤ۔ کیا تم مجھے نہیں جانتے! میں پرتوریان کا افسر ہوں۔"

یہ لفظ سُنتے ہی اُنہوں نے فوراً اُسے رستہ دے دیا اور مارسلس

اُن کے درمیان سے باہر آگیا۔ لیکن وُہ چار قدم ہی اُن سے آگے گیا ہوگا کہ ہجوم کی طرف سے آواز آئی۔

"پکڑلو! پکڑلو! یہی مارسلّس ہے۔ مسیحی مارسلّس!"

بھیڑ نے شور مچایا۔ مارسلّس کو مزید آگاہی کی ضرورت نہ تھی۔ وہ سامان کا بنڈل وہیں پھینک سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا۔ سب اُس کے پیچھے بھاگ کھڑے ہوئے، لیکن اُس کی فوجی تربیت کام آئی اور وہ جلد ہی اُن سے آگے نکل گیا۔ اُس کا رُخ دریا کی طرف تھا جہاں پہنچ کر اُس نے اُس میں چھلانگ لگا دی اور تیر کر دوسری جانب جا نکلا۔ تعاقب کرنے والے دریا کے کنارے تک پہنچے مگر کسی نے پانی میں کُود کر اُس کا پیچھا کرنے کی ہمّت نہ کی۔

دسواں باب

گرفتاری

ہنوز بس عبادت گاہ میں دیگر دو تین ایمان داروں کے ساتھ جن میں خاتون سیسیلیا بھی شامل تھیں بیٹھا ہوا تھا۔ ایک لیمپ کی مدھم کرنیں اس منظر پہ ہلکی ہلکی روشنی بکھیر رہی تھیں۔ وہ سب خاموش اور اُداس تھے۔ یہ اُداسی آج عام دنوں سے کہیں زیادہ گہری معلوم ہوتی تھی۔ اُن کے اردگرد تہ خانے کے دوسرے حصّوں سے آوازوں اور قدموں کا مِلا جُلا شور اُنکی زندہ در گور زندگی کی نشاندہی کرتا تھا۔

یکایک تیز قدموں کی آواز سُنائی دی اور مارسلس داخل ہوا۔ عبادت گاہ میں موجود افراد اُسے دیکھتے ہی خوشی سے اُچھل پڑے۔

سیسیلیاہ نے بے تابی سے سوال کیا "پولیو کہاں ہے؟"

"میں نے اُسے نہیں دیکھا" مارسلس نے جواب دیا۔

"نہیں دیکھا"!!

"کیوں! کیا اُسے بہت دیر ہو گئی ہے؟"

"اُسے تو اب سے چھ سات گھنٹے پہلے یہاں پہنچ جانا چاہیے تھا۔ فکر سے میری جان ہلکان ہوئی جاتی ہے۔"

فکر نہ کیجئے۔ وہ اپنی حفاظت کرنا بخوبی جانتا ہے۔"
کہنے کو تو خاتون سیسیلیاہ کی دلجوئی کی خاطر مارسلس نے یہ الفاظ کہہ ڈالے مگر اُس کے چہرے کے تاثرات اُس کے اندرونی جذبات کی غمازی کر رہے تھے۔ وہ خود بھی دل ہی دل میں بے حد پریشان ہے"۔
سیسیلیاہ بولیں "فکر کیسے نہ کروں! بدقسمتی سے ہمیں سب حالات معلوم ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ ہمیں کن نئے خطروں کا سامنا ہے۔ زندگی اس سے پیشتر کبھی اتنی محال نہ تھی۔"
"ہاں تم کہو، تمہیں کیوں اتنی دیر ہو گئی؟ ہم تو تمہاری طرف سے بھی نا اُمید ہو گئے تھے۔"
مارسلس نے کہا "مجھے کچھ لوگوں نے شاہراہ اپیان کے نزدیک گھیر لیا تھا۔ مَیں سامان کا بنڈل وہیں پھینک کر دریا کی طرف بھاگ نکلا۔ اُنہوں نے میرا تعاقب کیا مگر میں دریا میں کُود پڑا اور تیر کر دوسری طرف جا نکلا۔ وہاں سے میں گلیوں میں سے چھپ چھپا کر سلامتی سے یہاں پہنچ گیا۔"
"تم بال بال بچے ہو۔ جانتے ہو تمہیں پکڑوانے والے کے لئے بڑے انعام کا اعلان کر دیا گیا ہے؟"
"تو آپ تک یہ خبر پہنچ گئی ہے؟"
"ہاں اور اس کے علاوہ بھی بہت کچھ سننے میں آیا ہے۔ حکومت نے ہمارا قلع قمع کرنے کے لئے اپنی کوششوں کو تیز تر کر دیا ہے۔ غرض آج سارا دن اسی طرح کی مایوس کن خبریں ہی ہم تک پہنچتی رہی ہیں۔ بلاشک ہمیں پہلے سے بھی زیادہ اپنے خداوند پر بھروسہ کرنا چاہیئے کیونکہ صرف وہی ہمیں بچا سکتا ہے۔"

"ہم ابھی بھی اُن کی کوششوں کو ناکام بنا سکتے ہیں یہ مارسلس نے پُر اُمید لہجے میں کہا۔

"وہ یہاں سے باہر جانے والے خاص خاص راستوں کی نگرانی کر رہے ہیں" ہنوریئس نے کہا۔

"تو پھر کیا ہوا؟ راستوں کی یہاں کونسی کمی ہے! ہم نئی راہیں اختیار کر لیں گے۔"

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ ہماری جماعت کے چیدہ چیدہ بھائیوں کی گرفتاری کے لئے بھی انعام مقرر کر دیا گیا ہے۔ ہمارے ہاں خوراک کا ذخیرہ بھی کم ہوتا جا رہا ہے۔"

"لیکن ہمارے ہاں دلیر اور وفادار لوں کی کمی نہیں۔ جان کو ہتھیلی پر رکھنا ہمارے جوانوں کا شیوہ بن چکا ہے۔ یہاں رہتے ہوئے کھانے پینے کی اشیا کی کمی نہ ہوگی۔ اگر ہم اُن کے ہاتھوں سے بچ نکلیں تو خوراک لا سکیں گے اور اگر اُن کے ہاتھوں مر جائیں تو زندگی کا تاج پائیں گے۔"

"مارسلس تم ٹھیک کہتے ہو۔ تمہارے ایمان نے میرے خوف کو دُور کر دیا ہے۔ یہاں رہنے والے لوگ بھلا موت سے خائف کیوں کر ہونے لگے! ہاں یہ وقتی اُداسی ہے جو جاتی رہے گی لیکن آج ہم نے ایسی بُری خبریں سُنی ہیں جنہوں نے ہمارے دل و دماغ کو مایوسی سے بھر دیا ہے۔"

اب ہنوریئس بڑے غمزدہ لہجے میں بولا۔

"چند ماہ گذرے شہر میں پچاس مسیحی جماعتیں تھیں جن سے حق

اور سچائی کی شعاعیں پھوٹتی تھیں اور جہاں سے حمد و ثنا کی آواز خدائے باری تعالےٰ کے حضور پہنچتی تھی مگر اب جماعتیں تتر بتر ہو کر روپوش ہونے پر مجبور ہو چکی ہیں۔"

یہ کہہ کر وہ گویا جذبات سے مغلوب ہو کر خاموش ہو گیا۔ اور پھر قدرے توقف کے بعد رقت آمیز مدھم آواز میں اسّی زبور کے اُداس الفاظ دہرانے لگا

"اے خداوند لشکروں کے خُدا!
تُو کب تک اپنے لوگوں کی دُعا سے ناراض رہے گا
تُو نے اُن کو آنسوؤں کی روٹی کھلائی
اور پینے کو کثرت سے آنسو ہی دیئے۔
تُو ہم کو ہمارے پڑوسیوں کے لئے جھگڑے کا باعث بناتا ہے
اور ہمارے دشمن آپس میں ہنستے ہیں۔
اے لشکروں کے خدا! ہم کو بحال کر
اور اپنا چہرہ چمکا تو ہم بچ جائیں گے۔
تو مصر سے ایک تاک لایا
تُو نے قوموں کو خارج کر کے اُسے لگایا۔
تُو نے اُس کے لئے جگہ تیار کی۔
اُس نے گہری جڑ پکڑی اور زمین کو بھر دیا۔
پہاڑ اُس کے سایہ میں چھپ گئے
اور اُس کی ڈالیاں خدا کے دیوداروں کی مانند تھیں۔
اُس نے اپنی شاخیں سمندر تک پھیلائیں۔

اور اپنی ٹہنیاں دریائے فرات تک
پھر تو نے اُس کی باڑوں کو کیوں توڑ ڈالا
کہ سب آنے جانے والے اُس کا پھل توڑتے ہیں؟
جنگلی سُوأر اُسے برباد کرتا ہے۔
اور جنگلی جانور اُسے کھا جاتے ہیں۔
اَے لشکروں کے خدا! ہم تیری منّت کرتے ہیں پھر متوجّہ ہو۔
آسمان پر سے نگاہ کر اور دیکھ اور اِس تاک کی نگہبانی فرما
اور اِس پودہ کی بھی جسے تیرے دہنے ہاتھ سے لگایا ہے
اور اُس شاخ کی جسے تو نے اپنے لئے مضبوط کیا ہے۔
یہ آگ سے جلی ہوئی ہے۔ یہ کٹی پڑی ہے۔
وہ تیرے منہ کی جھڑکی سے ہلاک ہوتے جاتے ہیں۔"
مارسلس نے کہا
"بزرگ سنوریس آپ اُداس ہیں۔ اِس میں شک نہیں کہ ہماری تکالیف دن بدن بڑھتی جا رہی ہیں لیکن ہم اُس کے وسیلے سے جس نے ہم سے محبت کی فتح سے بڑھ کر غلبہ پاتے ہیں۔ خداوند کیا فرماتا ہے
"جو غالب آئے میں اُسے اُس زندگی کے درخت میں سے جو خدا کے فردوس میں ہے پھل کھانے کو دُوں گا۔"
"جان دینے تک وفادار رہ تو میں تجھے زندگی کا تاج دوں گا۔ جو غالب آئے اُسے دوسری موت سے نقصان نہ پہنچے گا۔"
"جو غالب آئے مَیں اُسے پوشیدہ مَن میں سے دُوں گا اور ایک سفید پتھر دوں گا۔ اُس پتھر پر ایک نیا نام لکھا ہُوا ہوگا۔ جسے اس

کے پانے والے کے سوا کوئی نہ جانے گا۔"

"جو غالب آئے اور جو میرے کاموں کے موافق عمل کرے میں اُسے قوموں پر اختیار دوں گا۔ اور میں اُسے صبح کا ستارہ دوں گا۔"

"جو غالب آئے اُسے اِسی طرح سفید پوشاک پہنائی جائیگی اور میں اُس کا نام کتابِ حیات پر سے ہرگز نہ کاٹوں گا بلکہ اپنے باپ اور اس کے فرشتوں کے سامنے اُس کے نام کا اقرار کروں گا۔"

"جو غالب آئے میں اُسے اپنے خدا کے مَقدِس میں ایک ستون بناؤں گا۔ وہ پھر کبھی باہر نہ نکلے گا اور میں اُسے اپنے خدا کا نام اور اپنے خدا کے شہر یعنی نئے یروشلیم کا نام جو میرے خدا کے پاس سے آسمان سے اُترنے والا ہے اور اپنا نیا نام اُس پر لکھوں گا۔"

"جو غالب آئے میں اُسے اپنے ساتھ تخت پر بٹھاؤں گا جس طرح میں غالب آکر اپنے باپ کے ساتھ اُس کے تخت پر بیٹھ گیا۔"

کلامِ پاک کی آیات کی تلاوت کے دوران مارسلس کا چہرہ جذبۂ عقیدت کے نور سے دمک اُٹھا اور اُس کی آنکھوں میں امید کے دیئے جگمگا اُٹھے۔ آیات میں مذکور نیا یروشلیم، سونے کی سڑکیں، فتح کی علامت کھجور کی شاخیں، بّرے کا گیت اور تخت پر بیٹھنے والا کا تابناک چہرہ اُن کی چشمِ تصوّر کے سامنے تھا۔ اِن آیات کی روشنی میں خدا کے جلیل وعدوں نے اُن کی رُوح کو اِس طرح تقویت مہیا کی کہ وہ اپنی موجودہ تکالیف کو بھول کر آئندہ زندگی کے ابدی آرام کے خیالوں میں مستغرق ہو گئے۔

مارسلس خاموش ہوا تو کسی قدر توقف کے بعد سنوریس نے کہا "کلامِ خدا کے حوصلہ افزا الفاظ نے میرا غم غلط کر دیا ہے۔ بھائیو!

دنیاوی دُکھوں کو خاطر میں نہ لاؤ اور انہی فکروں کو اُسی پر ڈال دو۔ خدا کی بادشاہت میں سب سے کمسن یعنی مارسلس ایمان میں ہم سے سبقت لے گیا ہے۔ آؤ موجودہ تکالیف کو نظرانداز کر کے اُس خوشی پر نظر رکھیں جو ہمارے سامنے ہے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ اگر یہ فانی جسم ہلاک ہو جائے تو ہمارے لئے آسمان پر مکان موجود ہے جو ہاتھ سے بنا ہُوا نہیں۔

اِن اُمور کی یاددھانی اِس لئے کروا رہا ہوں کہ دشمنوں نے ہمیں گھیر رکھا ہے اور وہ قریب سے قریب تر ہوتے جا رہے ہیں۔ آئیے ہم سب از سرِ نو عہد کریں کہ سچّے مسیحیوں کی طرح مریں گے۔"

یہ کہہ کر سینورئیس خاموش ہُوا تو مارسلس بولا

"معاف کیجئے آپ اتنی مایوسی کی باتیں کیوں کر رہے ہیں؟ کیا آج موت پہلے کی نسبت ہمارے زیادہ قریب آ گئی ہے؟ میری دانست میں ہم یہاں خاصے محفوظ ہیں۔"

"تو کیا تم نے وہ خبر نہیں سُنی؟"

"کونسی خبر؟"

"کرسپئس کے مرنے کی۔"

"کرسپئس! مر گیا! کب۔ کیسے؟"

قیصر کے سپاہی کسی ایسے شخص کی مدد سے جو یہاں کے راستوں سے بخوبی واقف ہے آئے اور دریائے تابر کے اُس طرف والے علاقے میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے یک لخت اُس کمرے پر حملہ کر دیا جہاں جماعت عبادت میں مصروف تھی۔ بھائیوں نے جلدی سے خطرے کا

اعلان کیا تو سب بھاگ اُٹھے مگر بھائی کریپّس نے کمزوری یا شاید شوقِ شہادت کی وجہ سے وہاں سے ٹلنے سے انکار کر دیا اور دوزانو ہو کر دست بدعا ہو گئے۔ دو وفادار خدمت گار بھی اِس وقت اُن کے ساتھ تھے۔ سپاہی نے کمرے میں داخل ہوتے ہی کریپّس کو دعا کرتے دیکھ کر اُن کے سر پر ایسی ضرب لگائی کہ مغز باہر نکل پڑا اور وہ ایک دم وہیں جاں بحق ہو گئے۔ اُن کے خدمت گاروں کو بھی اسی دم موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ وہ تینوں شہدا کی بلند مرتبت فضا میں جا کھڑے ہوئے ہیں۔ وہ موت تک وفادار رہے ہیں اور زندگی کے "تاج کے حقدار ٹھہرے ہیں"

عین اس وقت عبادت گاہ سے باہر شور سُنائی دیا۔ سب کے سب ایک دم چونکتے ہو کر بیک آواز بولے "سپاہی"

مگر اُن کا خیال غلط نکلا۔ یہ شور شہر سے پیغام لانے والے ایک مسیحی کی وجہ سے تھا۔ وہ زرد رُو، لرزاں و ترساں عبادت گاہ میں داخل ہُوا اور ہانپتا کانپتا فرش پر گر پڑا۔ سب سے پہلے الفاظ جو اُسکے لبوں پر آئے وہ تھے

"افسوس! افسوس!"

اِس شخص پر نظر پڑتے ہی خاتون سیسیلیاہ کی حالت دگرگوں ہوگئی۔ وہ سر سے پاؤں تک کانپنے لگیں اور دیوار سے ٹکرا گئیں۔ اُن کے ہاتھوں کی مٹھیاں بند اور آنکھیں چھت کو گھور رہی تھیں۔ اُن کے لب جنبش کر رہے تھے۔ گویا وہ کچھ کہنے کی سعی کر رہی ہوں مگر اُن کے منہ سے کوئی آواز برآمد نہ ہو سکی۔

ہنوریئس نے پیغام رساں سے کہا "بولو جوان کچھ بتاؤ۔"

"پولیو" اور یہ کہہ کر پیغام رساں پھر خاموش ہو گیا۔

"اُسے کیا ہُوا؟" مارسلس نے کسی قدر درشت لہجے میں سوال کیا۔

"اُسے گرفتار کر لیا گیا ہے۔ وہ قید میں ہے۔"

عین اُس وقت فضا میں ایک جگر پاش چیخ بلند ہوئی۔ یہ خاتون سیسیلیاہ کے لبوں سے برآمد ہوئی تھی اور اگلے ہی لمحے وہ دھڑام سے فرش پر گر گئیں۔

پاس کھڑے ہوئے لوگ سرعت سے اُن کو سنبھالنے کی طرف متوجہ ہوئے۔ اُنہیں اُن کی رہائش گاہ میں پہنچایا گیا جہاں اُنہیں ہوش میں لانے کے لئے منہ پر پانی کے چھینٹے دیئے گئے۔ کچھ دیر بعد اُن کی طبیعت میں کسی قدر افاقہ ہُوا تاہم یہ معلوم ہوتا تھا گویا وہ خواب کی حالت میں ہوں۔ جب اُن کو ہوش میں لانے کی کوششیں جاری تھیں تو اس اثنا میں مارسلس پیغام رساں سے پوچھ گچھ کر رہا تھا۔

"کیا پولیو تمہارے ساتھ تھا؟" اُس نے پوچھا۔

"نہیں وہ اکیلا تھا۔"

"وہ کس کام سے گیا تھا؟"

"مسیحیوں کے متعلق تازہ ترین خبر حاصل کرنے کے لئے۔ لیکن جب وہ گھر واپس آرہا تھا تو میں سڑک کے ایک طرف کچھ فاصلے پر اُس کے پیچھے پیچھے تھا۔ ہم اِسی طرح چلتے رہے حتّٰی کہ ہم لوگوں کے ایک ہجوم تک جا پہنچے۔ میں یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ انہوں نے یکایک روک کر اُس سے پوچھ گچھ شروع کر دی۔ میں ان کے سوالوں کو تو نہ سُن سکا مگر اُن کے گفتگو کے انداز سے صاف ظاہر تھا کہ وہ اس کو ڈرا دھمکا رہے ہیں۔ خاصی

بحث کے بعد پھر میں نے دیکھا کہ وہ اُس کو پکڑ رہے ہیں۔ اتنے بڑے ہجوم کے مقابلے میں اُس کی مدد کرنا سراسر بے وقوفی تھی۔ لہٰذا میں ناچار کھڑا دیکھتا رہا کہ وہ اُس کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ قریباً نصف گھنٹے بعد فوجی کونسل کی گارڈ کا ایک دستہ وہاں آیا۔ پولیو کو ان سپاہیوں کے حوالے کر دیا گیا وہ اس کو ساتھ لے کر وہاں سے چلتے بنے۔

"فوجی کونسل کی گارد! کیا تمہیں معلوم ہے کہ اُن کا کپتان کون تھا؟"

"ہاں۔ اُس کا نام لوکلس ہے۔"

"یہ تو اچھا ہوا" اور یہ کہہ کر مارسلس گہری سوچ میں غرق ہو گیا۔

گیارھواں باب

پیشکش

شام کے سائے پر نور یان کیمپ کو اپنی لپیٹ میں لے رہے تھے۔
لوکلس اپنے کمرے میں سوچوں میں گم صم بیٹھا تھا کہ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ اُس نے فوراً اُٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ ایک آدمی داخل ہوا اور کمرے کے وسط میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ اُس نے وہ بھاری لبادہ جو اُس نے اپنے لباس کے اوپر اوڑھ رکھا تھا اُتار کر ایک طرف رکھ دیا اور لوکلس کے عین سامنے کھڑا ہو گیا۔

"مارسلس!" لوکلس حیرت سے پکار اُٹھا۔

اور لپک کر نو وارد سے بغلگیر ہو گیا۔ اُس کے چہرے بشرے بلکہ روئیں روئیں سے خوشی و مُسرت پھوٹ رہی تھی۔ وہ بولا "پیارے دوست۔ کیا حسنِ اتفاق ہے کہ مَیں ابھی ابھی تمہیں یاد کر کے یہی سوچ رہا تھا کہ جانے کب تم سے ملاقات ہو۔ ہاں تو کہو میں اِس ملاقات کے لئے کس واقعہ کا مرہونِ مِنّت ہوں؟"

مارسلس اُداسی سے بولا "آہ اب ہماری ملاقاتیں گنی چُنی ہوں گی۔ اس وقت بھی میں اپنی جان کو ہتھیلی پہ رکھ کر یہاں آیا ہوں۔"
اِس پر لوکلس کے چہرے پر بھی اُداسی کی پرچھائیاں چھا گئیں۔ کسی قدر

تامل کے بعد اُس نے کہا

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ تمہارا تعاقب کیا جا رہا ہے۔ تمہارے گرفتار کرنے والے کے لئے حکومت کی طرف سے انعام کا اعلان کر دیا گیا ہے، تاہم یہاں پر تم آج بھی اُتنے ہی محفوظ ہو جتنے اُن بھلے دنوں میں ہوا کرتے تھے جب تمہیں اُس نئے مذہب کے پاگل پن کا اشتیاق نہیں ہوا تھا۔ مارسلس کیا وہ اچھے دن واپس نہیں آ سکتے؟ میں تمہیں اس حالت میں دیکھ نہیں سکتا۔"

"مجبوری ہے۔ میں اپنی فطرت بدل نہیں سکتا نہ اپنے کئے کو مٹا سکتا ہوں اور نہ میں ایسا کرنا چاہتا ہوں۔ عزیزم لوکلس گرچہ تمہاری نگاہ میں میرا مقدر نہایت تاریک ہے تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ میں اپنی زندگی میں پیشتر ازیں کبھی اتنا خوش نہ تھا جتنا اب ہوں۔"

"خوش!" لوکلس حیرت سے چلا اُٹھا۔

"ہاں ہاں خوش! کیونکہ ہم ہر طرف سے مصیبت تو اُٹھاتے ہیں مگر لاچار نہیں ہوتے۔ ستائے تو جاتے ہیں مگر نا اُمید نہیں ہوتے۔"

"شہنشاہ کے قہر کا نشانہ ہونا کوئی معمولی امر نہیں۔"

"مجھے اِس امر سے انکار نہیں۔ میں آئے دن مسیحی بھائیوں کو قہر شاہی کا شکار بنتے دیکھتا ہوں۔ ہنستے بولتے دوست مجھ سے پھر ملنے کا وعدہ کر کے جدا ہوتے ہیں اور پھر کبھی نظر نہیں آتے۔ بارہا میرے ساتھی اور پر شہر میں جاتے ہیں لیکن جب آتے ہیں تو اپنے پاؤں پر چل کر نہیں بلکہ سامان کی گٹھڑی کی صورت میں اُٹھا کر لائے جاتے ہیں اور پھر اُنہیں صبر و شکر کر کے سپردِ خاک کر دیا جاتا ہے۔ میں جانتا ہوں

کہ خود میرے گرد بھی موت کا دائرہ قریب سے قریب تر ہوتا جا رہا ہے۔"

"اور پھر بھی کہتے ہو کہ تم خوش ہو!"

"ہاں لوکاس مجھے ایسا اطمینان حاصل ہے جسے دنیا نہیں جانتی۔ ایسا اطمینان جو اوپر سے ملتا ہے اور دنیا کی سمجھ بوجھ سے بالکل باہر ہے۔"

"مارسلس، میں جانتا ہوں کہ تم شیر دل ہو اور موت سے قطعی خائف نہیں لیکن مجھے ہرگز یہ علم نہ تھا کہ تم میں اتنا صبر و تحمّل اور ہمّت و حوصلہ بھی ہے کہ تم اُن سب مصائب کو بے چون و چرا برداشت کر لوگے جن کا سامنا اب تمہیں کرنا ہوگا۔ تمہاری یہ ہمّت غیر فطرتی ہے یا پاگل پن کی جنونی کیفیّت۔"

"لوکاس یہ طاقت اُوپر ہی سے ہے۔ میرے نزدیک میرا خداوند یسوع مسیح دنیا کی ساری عزّت اور دولت سے زیادہ بیش بہا ہے۔ ایک وقت تھا جب مجھ میں اس حقیقت کو پہچاننے کی اہلیّت نہ تھی مگر اب پرانی چیزیں جاتی رہیں اور سب نئی ہو گئی ہیں۔ اس نئی قوّت کے بل بوتے پر میں اُن تمام مصائب کو برداشت کر سکتا ہوں جو مجھے پہنچائی جا سکتی ہیں۔ میں زندگی میں سوائے دُکھ کے کسی چیز کی توقع نہیں کرتا اور یہ بھی جانتا ہوں کہ میں سخت جانکنی کی حالت میں مروں گا۔ تاہم یہ تلخ حقائق میرے اُس ایمان کو مغلوب نہیں کر سکتیں جو میرے باطن میں جاگزیں ہو چکا ہے۔"

لوکاس غمزدہ لہجے میں بولا "مجھے یہ دیکھ کر سخت کوفت ہوتی ہے کہ تم اپنی دھن کے اس قدر پکے ہو۔ اگر تمہارے ارادے میں ذرا بھی لغزش

کی جھلک ہوتی تو میں امید کرتا کہ وقت گذرنے پر تمہارے جذبات، اور خیالات اور ہو جائیں گے۔ مگر مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم اپنے ارادے میں اٹل ہو اور اپنی ہٹ سے باز نہ آؤ گے۔"

"خدا مجھے آخر تک ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔"

مارسلس نے بڑی گرمجوشی سے کہا۔ وہ پھر بولا

لیکن آج میں اپنے جذبات اور احساسات کا اظہار کرنے نہیں آیا بلکہ ایک خاص مقصد کے لئے تمہاری مدد کی درخواست کرنے حاضر ہوا ہوں۔ تمہیں یاد ہوگا کہ تم نے وعدہ کیا تھا کہ اگر کبھی مجھے ضرورت پڑی تو تم دوستی کا حق ادا کرو گے۔ میں اسی وعدے کی وجہ سے آج یہاں حاضر ہوں۔"

"مارسلس، میں حتے المقدور تمہاری مدد کے لئے تیار ہوں۔ کہو کیا چاہتے ہو؟"

"تمہارے پاس ایک قیدی ہے۔"

"قیدی تو کئی ہیں۔"

"جس قیدی کا میں ذکر کر رہا ہوں وہ ایک لڑکا ہے۔"

"ہاں مجھے یاد ہے۔ چند دن ہوئے میرے سپاہیوں نے ایک لڑکے کو گرفتار کیا تھا۔"

"عمر کے لحاظ سے اس غریب لڑکے کی گرفتاری قانوناً جائز نہیں۔ شہنشاہ کا قہر معصوم بچوں پر نازل نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ لڑکا تمہاری حراست میں ہے۔ میں اس لڑکے کی رہائی کی خاطر آیا ہوں۔"

"افسوس مارسلس یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ کیا تم اتنی جلدی رومی فوج

کے قوانین و ضوابطے فراموش کر چکے ہو؟ کیا تم یہ نہیں جانتے کہ اگر میں ایسا کروں تو اپنے حلف کی خلاف ورزی کروں گا جو بھرتی ہوتے وقت اُٹھایا تھا اور اِس طرح غدّاری کا مرتکب ہوں گا؟ اگر تم مجھ سے تلوار پر گر کر مر جانے کی فرمائش کرتے تو میں زیادہ رضا مندی سے ایسا کر گذرتا۔

"میں نہ فوجی حلف کو بھولا ہوں نہ اُسکے قانون و ضبط کو۔ میں نے یہ درخواست فقط اِس بنا پر کی تھی کہ وہ لڑکا محض بچہ ہی ہے اور ممکن ہے اُسے باقاعدہ قیدی نہ سمجھا گیا ہو۔

کیا شہنشاہ کا فرمان بچوں کے لئے بھی کوئی رعایت نہیں کرتا؟"

"نہیں۔ اس میں عمر کی رعایت نہیں۔ کیا تم نے اِس لڑکے سے پہلے بچوں کو تماشا گاہ میں موت کے منہ میں جاتے نہیں دیکھا؟"

"آہ۔ افسوس! مَیں نے دیکھا ہے۔"

ایسا کہتے ہوئے مارسلس کو کمسن لڑکیوں کا وہ گروہ یاد آگیا جس کے آخری وقت کے گانے نے اُس کے دل پر اَنمٹ اثر کیا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا

"تو اِس کمسن لڑکے کو بھی موت کے منہ میں جانا ہو گا؟"

"بلا شک یا اُسے مسیحی مذہب سے انکار کرنا ہو گا۔" "انکار وہ کبھی نہیں کریگا۔"

"تو پھر تو اُسے اپنے مقدّر کو گلے لگانا پڑے گا۔ مارسلس، یہ قانون کی رُو سے ہے اِس میں میرا کوئی ہاتھ نہیں۔ میں تو ایک آلہ کار ہوں۔ مجھے موردِ الزام نہ سمجھو۔"

"میں تم پر الزام نہیں لگاتا۔ مَیں بخوبی جانتا ہوں کہ تم قوانین بجالانے پر مجبور ہو۔ اگر تم اِس عہدے پر فائز ہو تو اُس کے فرائض بجالانا تم پر فرض ہے۔ تاہم میرے پاس ایک اور تجویز ہے۔"

"وہ کیا؟"

"قیدیوں کو آزاد کر دینے کی تو اجازت نہیں لیکن قیدی کے بدلے قیدی لے لینا تو خلافِ قانون نہیں۔"

"ہاں اِس کی تو اجازت ہے۔"

"اگر میں تمہیں ایسے قیدی کا پتہ بتاؤں جو اِس لڑکے سے کہیں زیادہ اہمیت رکھتا ہو تو کیا تم اُس کے بدلے اِس لڑکے کو چھوڑ سکتے ہو؟"

"لیکن تمہارے پاس ہمارا کوئی قیدی نہیں۔"

"یہ ٹھیک ہے لیکن ہمیں اپنے لوگوں پر تو اختیار ہے، اور ہمارے درمیان کئی ایسے افراد ہیں جن کی گرفتاری کے لئے حکومت نے بھاری انعام مقرر کر رکھا ہے۔ اُن میں سے کسی ایک کے لئے ایسے سینکڑوں لڑکے بخوشی دیئے جا سکتے ہیں۔"

"تو کیا ایک دوسرے سے بے وفائی کرنا مسیحیوں کا وطیرہ ہے؟"، لوکلس نے حیرت سے پوچھا۔

"نہیں۔ ایسا قطعی نہیں۔ لیکن بعض مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کی جان بچانے کے لئے اپنی جان پیش کر دی۔"

"ناممکن!"

"دُور کیوں جاؤ۔ اِس مثال میں تو ایسا ہی ہو رہا ہے۔"

"اچھا بتاؤ اِس لڑکے کے عوضانے میں کسے پیش کرتے ہو؟"

"مارسلس! اپنے آپ کو!"

اِس پر لوکلس حیرت سے اپنی کرسی سے اُچھل پڑا۔

"تم اپنے آپ کو!"

"ہاں میں اپنے آپ کو"

"تم مذاق کر رہے ہو یہ نہیں ہو سکتا !"

"میں سچ کہہ رہا ہوں۔ اور انتہائی سنجیدگی سے، اسی لڑکے کی خاطر میں نے تمہاری ملاقات کے لئے اپنی جان کو خطرے میں ڈالا ہے۔ یہ لڑکا اپنی ماں کا اکلوتا بیٹا اور روم کے ایک قدیم ممتاز گھرانے کا آخری چشم و چراغ ہے۔ اُس کا باپ میدانِ جنگ میں لڑتے ہوئے مارا گیا تھا۔ یہ لڑکا سرویلی خاندان سے ہے۔"

"کیا اُس کی ماں سیسیلیاہ نہیں ؟"

"ہاں۔ وہ بھی ہماری طرح وہیں پناہ گزیں ہیں۔ یہ لڑکا اُس خاتون کی جان ہے۔ وہ بیچاری ہر روز اُسے اوپر شہر میں جانے کی پُرخطر مہم پر اس لئے جانے دیتی ہیں کہ وہاں کی نمدار ہوا اُس کی صحت کو خراب نہ کر دے۔ وہ بچے کی غیر موجودگی میں ایسی اذیت برداشت کرتی ہیں جو بیان سے باہر ہے۔ اِن وجوہ کی بنا پر میں اپنے آپ کو اس لڑکے کے عوضانے میں پیش کرتا ہوں۔

"میرا کیا ہے ؟ بھری دنیا میں اکیلا ہوں۔ کوئی زندگی مجھ سے وابستہ نہیں کسی اور زندگی کی کفالت کا میرے وجود پر دارو مدار نہیں۔ میں موت سے نہیں ڈرتا۔ ایک دن مرنا تو ہے ہی۔ کل نہ سہی آج سہی اور میرے نزدیک یونہی مر جانے سے کسی کے بدلے جان دے دینا زیادہ قابل قبول ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ مَیں دوستی کے مُقدس رشتے، اور تمہارے باطن میں موجود رحم اور مدد کے اُس وعدے کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ میری زندگی کو اُس لڑکے کے بدلے میں قبول کر لو۔"

یہ سُن کر لوکلسس اُٹھ کر انتہائی بے چینی کے عالم میں ٹہلنے لگا۔ وہ کہہ رہا تھا

"مارسلس۔ تُم مجھے اتنی کڑی آزمائش میں کیوں ڈالتے ہو؟"

"میری پیشکش تو سیدھی سادی ہے۔"

"تم بھول رہے ہو کہ مجھے تمہاری زندگی عزیز ہے۔"

"لیکن مجھے اُس کمسن لڑکے کا خیال ہے۔"

"یقین کرو کہ مجھے خود اس پر بے حد ترس آتا ہے لیکن میں اُس کے سر کے بدلے تمہارا سر قبول نہیں کر سکتا۔"

"ارے بھائی! میرے سر کا کیا ہے۔ اُس پر تو یوں بھی تلوار لٹک رہی ہے۔ مَیں تمہاری مِنت کرتا ہوں کہ اسے قبول کر لو، یونہی کٹ جانے سے بہتر ہے کہ کسی کے کام آجائے۔"

"تاہم جب تک میں تلوار کو روک سکتا ہوں اُسے تمہارے نزدیک نہ آنے دُوں گا۔ دیوتاؤں کی قسم، مَیں ہر ممکن کوشش کروں گا کہ تمہیں عرصے تک جان دینے کے لئے دنگل میں حاضر ہونا نہ پڑے۔"

"اگر ایک دفعہ مَیں اُن کے ہتھے چڑھ گیا تو کوئی مجھے بچا نہ سکے گا خواہ تم کتنی ہی کوشش کیوں نہ کرو۔"

"شائد میں شہنشاہ کے قہر کے رُخ کو پھیر سکوں۔ لیکن اگر میں کچھ بھی نہ کر سکوں تو بھی تمہاری اس تجویز کو میں قبول نہیں کر سکتا۔ ایسا کرنا تمہاری گردن پر چھُری چلانے کے مترادف ہے۔ میں ایسی تجویز کے حق میں اپنے منہ سے ہاں نہیں کہہ سکتا۔"

"اگر میں خود شہنشاہ کے حضور حاضر ہو جاؤں تو میرا خیال ہے کہ میری

درخواست قبول کرلی جائے گی۔"

"خبردار!! ایسی حماقت نہ کر بیٹھنا۔ جانتے ہو اس کا نتیجہ کیا ہوگا اوہ تم دونوں کو فوراً موت کے گھاٹ اتار دے گا۔"

"میں کسی قاصد کے ہاتھ پیغام بھیج سکتا ہوں۔"

"اب پیغام کا کوئی وقت نہیں رہا۔ پیغام اُس تک نہیں پہنچے گا اور اگر پہنچے گا بھی تو لڑکے کی موت کے بعد۔"

"تو گویا تمہارے خیال میں لڑکے کو بچانے کی کوئی صورت نہیں؟"

"نہیں۔"

"اور تم میری درخواست تسلیم کرنے سے قطعی انکار کرتے ہو؟"

"افسوس، کہ میں اپنے دوست کا قاتل کہلانا پسند نہیں کرتا۔ مارسلّس مجھ پر رحم کرو اور مجھے اس معاملے میں معذور سمجھو۔ میں ہرگز اس ناقابلِ قبول تجویز کو تسلیم نہیں کرسکتا۔"

"خدا کی مرضی پوری ہو۔ مجھے واپس جانا چاہیئے۔ آہ مجھے افسوس ہے کہ میں اپنے ساتھ غم کا پیغام لئے جارہا ہوں تب دونوں دوست خاموشی سے بغلگیر ہوئے اور مارسلّس اپنے دوست لوکلس کو اپنی پیشکش پر حیران چھوڑ کر وہاں سے چلا گیا۔

وہ اُس رات بسلامت اپنی جائے پناہ میں پہنچ گیا۔ جو ساتھی اُس کے شہر میں جانے کی مہم کے مقصد سے آشنا تھے وہ اُس کو رنج و خوشی کے ملے جلے جذبات سے ملے۔ خاتون سیسیلیاہ غنودگی یا نیم بے ہوشی کی حالت میں اپنی چارپائی پر پڑی تھیں۔ اس میں شک نہیں کہ وہ بہت باہمت خاتون تھیں۔ انہوں نے اس جگہ قیام کے ان ایام میں امید و بیم

سے ہا تھا پائی میں بڑی عالی حوصلگی سے کام لیا تھا، لیکن آخرکار سر پر لٹکنے والے خطرے کی تلوار اُن کے جسمانی اور ذہنی قویٰ پر غلبہ پا ہی گئی۔ معلوم ہوتا تھا کہ اُن کے جسمانی قویٰ نے حالات کے غیض و غضب کے سامنے بالآخر ہتھیار ڈال دیئے ہوں۔ پولیو کی گرفتاری نے رہی سہی کسر پوری کر دی۔

اُس رات وہ سب اُن کی چارپائی کے گرد بیٹھے رہے۔ وہ ہر گھڑی کمزور سے کمزور تر ہوتی جاتی تھیں اور زندگی پر اُن کی گرفت ہر لحظہ کم ڈھیلی ہوتی جارہی تھی۔ کبھی اُن کے ایک آدھ جملے سے یوں معلوم ہوتا کہ وہ اپنے حواس میں نہیں۔ گاہے گاہے اپنی زندگی کے خوشی میں گزارے ہوئے اوائل ایام کا ذکر کرنے لگتیں۔

چند گھنٹے یونہی گذر گئے۔ اب دنیاوی یادیں اور احساسات ماند پڑ چکے تھے، تاہم پولیو کا نام اُن کے لبوں پر آجاتا تھا۔ گو ظاہر تھا کہ جو خطرہ اُسے درپیش تھا وہ انہیں یاد نہ تھا۔

مگر ایک اور نام جو آخری وقت بار بار اُن کے لبوں پر آرہا تھا وہ خداوند یسوع کا نام تھا، جسے وہ نہایت احترام و عقیدت سے ادا کرتیں۔ اور ایسا کرتے ہوئے اُن کا چہرہ امید و اطمینان کی جھلک سے دمک اُٹھتا جس سے یہ حقیقت صاف عیاں تھی کہ خدا کی محبت کا وہ جذبہ جسے اُنہوں نے آخری ایام ہی میں پایا تھا دمِ آخر اُن کے خیالوں پر چھایا ہوا تھا۔

اب وہ خاصی دیر سے بالکل خاموش پڑی تھیں۔ پھر یکایک اُن کی آنکھیں کھلیں۔ اُن کے دُبلے پتلے اور کمزور چہرے پر یک لخت

سرخی کی لہر دوڑ گئی - پاس بیٹھنے والے چونکنے ہو کر اُن کو تکنے لگے -
پھر اس خاموشی میں اُن کی کمزور آواز صفائی سے سُنائی دی
"خداوند یسوع آ"!
اور اِن الفاظ کے ساتھ ہی اُن کی بے داغ رُوح قفسِ عنصری سے
پرواز کر کے خالقِ حقیقی کے حضور پہنچ گئی -